

متفرق سوالات

[المورد میں خطوط اور ای میل کے ذریعے سے دینی موضوعات پر سوالات موصول ہوتے ہیں۔ جناب جاوید احمد غامدی کے تلامذہ ان سوالوں کے جواب دیتے ہیں۔ یہاں ان میں سے منتخب سوال و جواب کو افادہ عام کے لیے شائع کیا جا رہا ہے۔]

مرفوع احادیث میں شرک، تین طلاقوں، ہد ہد اور نملہ کی وضاحت

سوال: استمداد اور قربانی و نذر اور پکار (غیر اللہ استغاثہ)، دفعۃً تین طلاقوں کا تین ہونا، ہد ہد اور نملہ کے لیے مرفوع صحیح احادیث بیان کریں۔ (پرویز قادر)

جواب: شرک کی شاعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار بیان کی ہے۔ پھر خود قرآن مجید میں بھی یہ موضوع بار بار زیر بحث آیا ہے۔ تینوں چیزیں جن کا آپ نے ذکر کیا ہے، اگر غیر اللہ کے لیے ہوں تو شرک ہیں۔ احادیث میں ان کا ذکر کر کے ان کی شاعت بیان کرنے کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئی، اس لیے کہ یہ بات خود قرآن مجید میں کئی اسالیب میں بیان کر دی گئی ہے۔ ممکن ہے، کسی روایت میں تصریح کے ساتھ ان کی نفی کی گئی ہو، لیکن معروف روایات میں شرک ہی کی تردید یا شاعت بیان ہوئی ہے۔

اسی طرح ہد ہد اور نملہ کے بارے میں بعض صحابہ کے اقوال تفسیر اور تاریخ کی کتابوں میں نقل ہوئے ہیں۔ سردست مجھے کوئی مرفوع حدیث نہیں ملی۔

تین طلاقوں کا ایک طلاق ہونا ایک فقہی بحث ہے، اس میں استدلال کا مدار کن روایات پر ہے، اس کا خلاصہ ابن رشد نے اپنی کتاب ”بدایۃ المجتہد“ میں بخوبی کیا ہے۔ میں اسے آپ کے لیے نقل کر دیتا ہوں:

”ان کے استدلال کی بنیاد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث پر بھی ہے۔ جس کی تخریج امام مسلم (رقم ۱۴۷۲) اور امام بخاری نے کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں حضرت ابوبکر کے دور میں اور خلافت عمر کے دو سالوں میں تین طلاقیں ایک ہی قرار دی جاتی تھیں۔ حضرت عمر نے تینوں کو نافذ کر دیا۔ ان حضرات کے استدلال کی بنیاد ابن اسحاق کی روایت پر بھی ہے جو انھوں نے عکرمہ سے بواسطہ ابن عباس بیان کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دیں اور اس پر انھیں شدید قلق ہوا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: تم نے طلاق کس طرح دی ہے؟ انھوں نے عرض کیا: میں نے ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دی ہیں۔ آپ نے فرمایا: وہ تو ایک طلاق ہے، تم اس سے رجوع کر لو۔ (ابوداؤد، رقم ۲۲۰۶؛ ابن ماجہ، رقم ۲۰۵۱)

جمہور کی رائے (ایک وقت میں تین طلاقوں) کی حمایت کرنے والے کہتے ہیں کہ صحیحین میں موجود حدیث ابن عباس کی روایت ان کے اصحاب میں سے طاؤس نے کی ہے، جبکہ ان کے پیش تر اصحاب نے جن میں سعید بن جبیر، مجاہد، عطاء اور عمرو بن دینار رضی اللہ عنہم ہیں اور ان کے علاوہ ایک جماعت نے تین طلاقوں کے واقع ہو جانے کا قول نقل کیا ہے اور ابن اسحاق کی حدیث وہم ہے۔ ثقہ راویوں کے الفاظ تو یہ ہیں کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو حتمی طلاق دی تھی۔ اس میں تین کے الفاظ نہیں ہیں۔“ (۴۶/۲)

احادیث اور دین کے بعض اجزا

سوال: کیا پانچ نمازیں، وضو میں پاؤں دھونا، معجزات، تقدیر، ارضی قبر کے عالم برزخ ہونے پر ایمان، یتیم پوتے کی میراث کا نہ ہونا اور ہفت قرآن، وحی خفی کی رو سے واجب ہیں۔ کیا تجسیم باری تعالیٰ کی تاویل ہوگی؟ (پرویز قادر)

جواب: پہلی دونوں چیزوں کا ماخذ سنت متواترہ ہے۔ وضو میں اختلاف آیت قرآنی کی تاویل میں اختلاف سے پیدا ہوا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے بارے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ ساری امت اس بات پر متفق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وضو میں پاؤں دھوتے تھے۔

معجزات اور تقدیر اللہ پر ایمان کے لوازم میں سے ہیں۔ حدیث میں جو معجزات بیان ہوئے ہیں، ان پر اگر سنداً

کوئی اعتراض نہیں ہے تو ماننے میں کوئی استحالہ نہیں ہے۔ تقدیر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری زندگی، موت، والدین، بہن بھائی اور اس طرح متعدد چیزیں جن میں ہماری سعی کا کوئی تعلق نہیں ہے، خود مقرر کر رکھی ہیں، اسے ماننا اللہ تعالیٰ کو خالق و مالک ماننے کا نتیجہ ہے۔ یہی بات احادیث میں بھی بیان ہوئی ہے۔ جن حدیثوں سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا نیک و بد ہونا بھی مقدر ہے تو وہ راویوں کے سوء فہم کا نتیجہ ہے۔ قرآن مجید میں بیان کیا گیا قانون آزمائش اس تصور کی نفی کرنے کے لیے کافی ہے۔

ارضی قبر کو عالم برزخ قرار دینے کی وجہ حدیث نہیں ہے، حدیث کا فہم ہے۔ قبر کی تعبیر عالم برزخ کے لیے اختیار کرنا زبان کے عمومی استعمالات میں بالکل درست ہے۔ اس سے یہ سمجھنا کہ قبر ہی عالم برزخ ہے، سخن ناشناسی ہے۔ مجھے نہیں معلوم کس روایت میں تجسیم باری تعالیٰ بیان ہوئی ہے۔ جس طرح قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ اور چہرے کے الفاظ ہیں۔ اور عرش پر استوا کی تعبیر اختیار کی گئی ہے، اسی طرح کی تعبیرات احادیث میں بھی ہیں۔ ان سے تجسیم کا نتیجہ نکالا گیا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ الفاظ معنوی پہلو سے استعمال ہوئے ہیں۔ خود قرآن مجید ہی میں یہ بات بیان ہو گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں ہے۔ اس ارشاد سے واضح ہے کہ اوپر مذکور تعبیرات ابلاغ مدعا کے لیے ہیں، ان کا لفظی اطلاق درست نہیں ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اختلاف

سوال: کیا فروعی اور فہم و اطلاق کے مسائل میں نبی کریم کے اجتہادات، مشورہ اور سوچ سے اختلاف

جائز ہے؟ (پرویز قادر)

جواب: ہرگز جائز نہیں ہے، بلکہ ایسا کرنا ایمان کی نفی کی علامت ہے اور حیط اعمال کا باعث ہوگا۔ اگر کوئی شخص روایت و درایت کے اصول پر کسی بات کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت کو درست نہیں مانتا تو یہ دراصل کسی محدث سے اختلاف ہے، اسے حضور سے اختلاف قرار دینا سراسر زیادتی ہے۔

ارتقا، معراج اور قرآن

سوال: ارتقا قرآن مجید کی کس آیت میں بیان ہوا ہے۔ مزید براں یہ بھی بتائیے کہ کس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ معراج ایک خواب تھا؟ (سعد فاروق)

جواب: ارتقا کے نقطہ نظر کی اصل یہ ہے کہ زندگی انتہائی سادہ خلیاتی وجود سے شروع ہوئی اور بتدریج اس نے پیچیدہ جان داروں کی صورت اختیار کر لی۔ چنانچہ ان کے نزدیک پہلا انسان اس ابتدائی خلیاتی وجود کی طرح مٹی سے نمودار نہیں ہوا تھا، بلکہ وہ کسی والدین کی اولاد تھا جو اس انسان سے کم تر تھے، لیکن اس کے کافی قریب تھے۔ قرآن مجید کے نزدیک پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں براہ راست مٹی سے پیدا کیا تھا، یعنی ان کے کوئی والدین نہیں تھے۔ قرآن مجید کی ایک آیت میں یہ دونوں باتیں یکجا بیان ہوئی ہیں۔ سورہ آل عمران میں ہے:

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ. (۵۹:۳)

”عیسیٰ کی مثال، اللہ کے نزدیک آدم کی سی ہے۔ اس کو مٹی سے بنایا، پھر اس کو کہا کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔“

یہ آیت اصل میں یہ بتا رہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ ولادت میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔ ان سے پہلے قادر مطلق نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے بغیر ماں باپ کے پیدا کر دیا تھا۔ چونکہ اس میں والدین کا ہونا اور نہ ہونا اصل موضوع ہے، اس لیے یہ آیت اس بات پر قطعیت کی مہر لگا دیتی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے والدین نہیں تھے۔

انسان کی تخلیق کے ضمن میں دوسری اہم آیت سورہ سجدہ کی ہے۔ آیت کے الفاظ ہیں:

الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ. ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ. ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُّوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ. (۹۷:۳۲)

”جس نے جو چیز بنائی ہے، خوب بنائی ہے، اس نے انسان کی خلقت کا آغاز مٹی سے کیا۔ پھر اس کی نسل حقیر پانی کے خلاصہ سے چلائی۔ پھر اس کے نوک پلک سنوارے اور اس میں اپنی روح پھونکی اور تمہارے لیے کان، آنکھیں اور دل بنائے۔ تم بہت ہی کم شکر گزار ہوتے ہو۔“

اس آیت میں کچھ مراحل بیان ہوئے ہیں۔ استاد محترم کی رائے یہ ہے کہ اس آیت میں یہ بیان ہوا ہے کہ ایک

طویل زمانہ ایسا گزرا جس میں انسان براہ راست زمین سے پیدا ہوتے رہے۔ پھر ان انسانوں میں یہ صلاحیت پیدا کر دی گئی کہ وہ اپنی نسل آگے بڑھاسکیں۔ پھر ایک زمانے میں زمین سے پیدا ہونے والے ایک جوڑے کو جس میں نسل آگے بڑھانے کی صلاحیت بھی تھی، منتخب کیا گیا۔ اس میں روح پھونکی گئی۔ تمام نسل انسان اسی جوڑے کی اولاد ہیں۔ ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ سائنس دانوں کو جدید انسان کے علاوہ انسان سے مشابہ جو بھی آثار ملے ہیں، وہ درحقیقت پہلے ادوار کے انسانوں کے ہیں۔ اس کے لیے وہ ارتقا کا لفظ بھی بولتے ہیں۔

معراج کا واقعہ قرآن مجید کی سورہ بنی اسرائیل میں بیان ہوا ہے، بلکہ سورہ کا آغاز ہی اس کے بیان پر مبنی ہے۔ اسی سورہ میں آگے جا کر اس واقعے کا حوالہ دے کر یہ کہا گیا ہے کہ ہم نے اسے نہ ماننے والوں کے لیے فتنہ بنا دیا۔ آیت کے الفاظ ہیں:

وَإِذْ قُلْنَا لَكَ إِنَّ رَبَّكَ أَحَاطَ بِالنَّاسِ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءُيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ .

(۶۰:۱۷)

”اور یاد کرو جب ہم نے تم سے کہا تھا کہ تمہارے رب نے لوگوں کو گھیرے میں لے لیا اور وہ رویا جو ہم نے تم کو دکھائی اس کو ہم نے لوگوں کے لیے بس ایک فتنہ ہی بنا دیا۔“

اس آیت میں معراج کے واقعے کے لیے رویا کا لفظ اختیار کیا گیا ہے۔ اس معاملے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس رویا سے مسجد اقصیٰ کی طرف سفر ہی مراد ہے۔ البتہ رویا کے لفظ کے معنی کی تاویل کی گئی ہے۔ ہمارے نزدیک رویا کا لفظ ایک ہی معنی کے لیے بولا جاتا ہے اور وہ وہی ہے جس کے لیے ہم خواب کا لفظ بولتے ہیں۔ البتہ ہمارے خواب اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب میں کوئی نسبت نہیں ہے۔ پیغمبروں کو رویا میں جو کچھ نظر آتا ہے، وہ حقیقت ہوتی ہے، اس لیے کہ انھیں شیطان کی ہر در اندازی سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ بہر حال یہ آیت اس بات پر نص قطعی ہے کہ معراج جسمانی نہیں تھی۔

کرسی پر نماز

سوال: کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھتے ہوئے کیا سجدے کے لیے اتنا کافی ہے کہ آدمی تھوڑا سا جھک جائے یا کوئی سر ہانا یا سخت چیز رکھ کر اس پر باقاعدہ سر رکھنا چاہیے؟ (سعد فاروق)

جواب: نماز کی اصل ہیئت کے جس قدر قریب ہوں، اتنا ہی اچھا ہے۔ بیماری اور تکلیف میں رخصت کا مطلب صرف یہ ہے کہ نماز کے وقت پر ہر حال میں نماز پڑھی جائے اور کسی مجبوری کو اس راہ میں حائل نہ ہونے دیا جائے۔ ہیئت میں رخصت کتنی ہے، یہ بات طے نہیں کی گئی۔ نمازی کی معذوری، حالات اور مزاج کے فرق کی وجہ سے یہ اسی پر چھوڑنا بہتر ہے کہ وہ کیا فیصلہ کرتا ہے۔ آپ والی مثال لے لیں کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے والا کہاں ہے: گھر میں ہے؟ مسجد میں ہے؟ سفر میں ہے؟ کسی کے ہاں مہمان ہے؟ کتنا جھک سکتا ہے؟ کرسی کون سی دستیاب ہے؟ مراد یہ ہے کہ ہر ہیئت اور حالات میں نماز کی اصل ہیئت سے قربت کی صورت بدل جائے گی۔ چنانچہ نمازی، اس کی بیماری اور دستیاب حالات تینوں کو سامنے رکھ کر فیصلہ ہوگا کہ نماز ادا کرنے کی بہتر صورت کیا ہوگی۔

حدیث قرطاس

سوال: بخاری میں ایک روایت ہے جس میں یہ بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے پہلے کاغذ اور قلم منگوایا تھا تا کہ آپ اس میں امت کے لیے کچھ لکھ دیں، مگر کچھ لوگوں نے کہا: آپ بیمار ہیں۔ ہمارے پاس قرآن ہے، لہذا ضروری نہیں کہ آپ سے کچھ لکھوایا جائے۔ آپ بتایے کیا یہ واقعہ ممکن ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے کچھ کہیں اور صحابہ اس کی تعمیل نہ کریں؟ (سعد فاروق)

جواب: اس روایت کے حوالے سے دو رائیں اختیار کی جاسکتی ہیں: ایک یہ کہ اس واقعے ہی کو سرے سے نہ مانا جائے۔ اس کے قرآن بھی اس روایت میں موجود ہیں۔ سب سے قوی قرینہ یہ ہے کہ کاغذ اور قلم نہ لانے کی بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منسوب کی جا رہی ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو مطعون کرنا ایک زمانے میں باقاعدہ مسئلہ رہا ہے۔ ممکن ہے یہ واقعہ بھی اسی جذبے کے تحت تخلیق کیا گیا ہو۔ دوسرا قرینہ یہ ہے کہ یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ وفات سے تین چار دن پہلے پیش آیا، اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم واقعہ کوئی چیز لکھوانا چاہتے تھے تو آپ وہ چیز دوبارہ کہہ کر لکھوا سکتے تھے۔ تیسرا قرینہ یہ ہے کہ اس روایت کے راویوں میں ابن شہاب بھی ہیں۔ حضرت عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں وہ روایات جن میں ان کی کوئی نہ کوئی خرابی سامنے آتی ہو، ان کی سند میں بالعموم یہ موجود ہوتے ہیں۔

دوسری راے یہ ہے کہ اس واقعے کو درست مان لیا جائے۔ شارحین نے اس واقعے کو درست مانتے ہوئے اس

اعتراض کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہیں مانی۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ کچھ صحابہ نے یہ رائے قائم کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات ان کی طرف سے جاری کردہ کوئی امر نہیں تھا، بلکہ محض ایک مشورہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ کو افاقہ بھی ہوا تو آپ نے یہ خواہش دوبارہ نہیں کی۔ میں ذاتی طور پر یہی محسوس کرتا ہوں کہ یہ واقعہ قابل قبول نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جہنم کہاں ہے؟

سوال: کیا جہنم زمین پر ہے؟ (زیر شیخ)

جواب: قرآن مجید میں کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس سے حتمی طور پر معلوم ہو کہ جہنم کہاں ہوگی۔ البتہ قرآن مجید سے ہمیں احوال قیامت کے ضمن میں جو معلومات حاصل ہوتی ہیں، ان کی روشنی میں ہم ایک اندازہ قائم کر سکتے ہیں۔ مثلاً قرآن مجید سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ زمین و آسمان زبردست بجابہی سے گزریں گے۔ ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اسی طرح پلٹ دیا جائے گا جیسے کاغذ رول کیا جاتا ہے۔ ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان زمین و آسمان کو نئے زمین و آسمان سے بدل دیا جائے گا۔ اس تفصیل سے یہی بات واضح ہوتی ہے کہ جہنم اور جنت اسی نئی دنیا میں ہوں گے۔